مولانا عنایت رسول چِریّاکوٹی کے بعض تفردات کا تنقیدی جائزہ

A critical analysis of some isolated opinions of Maulana Inayat Rasool Chiraiyakoti

حافظ فیاض علی *

ڈاکٹر رشید احمد **

Abstract

Maulana Inayat Rasool (1809-1905) of Chiraiyakot, (India) is one of the prominent Muslim scholars in the area of Comparative Study of Religions of his time. In order to properly understand Judaism and Christianity, he learnt Hebrew, Greek and Kaldi languages. He wrote several books most of which are still unpublished. His late written published works include "Bushrā" which according to him took twenty years of his life to scribe. This work is also considered the most important as it consists of a comparative analysis of the good news and glad tidings (Bushrā) about the coming of the Prophet Muḥammad (SAW), mentioned in Torah, Gospels and the Qur'ān. Despite being a valuable contribution, this work contains isolated and solitary opinions of the author, some of which are subject of a critical analysis in the present paper.

Keywords: Maulana Inayat Rasool, Comparative Study of Religions, Bushrā, Isolated Opinions of Maulana Inayat Rasool Chiraiyakoti

قصبہ چِریّاکوٹ[1] کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ اس کی آغوش میں ۱۲۲۴ھ بمطابق ۱۸۰۹ء کو مولانا عنایت رسول جیسے محقق اور عبقری دماغ کے حامل شخصیت کی ولادت ہوئی[2]۔ صغر سنی ہی میں صرف و نحو کے ابتدائی فنون حاصل کر کے علم حدیث کی پیاس بجھانے کیلئے حضرت شاہ عبد العزیزؒ محدث دہلوی[3] کے تلمیذ رشید مولانا حیدر علی[4] کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کئے۔ فن تکمیل کے بعد وطن مالوف مراجعت فرمائی اور مطالعۂ مذاہب میں مگن ہو گئے۔ اس اشتیاق میں اتنی حدّت و شدت تھی کہ مولانا موصوف کو یہودیت اور مسیحیت کی اصلی زبان عبرانی سیکھنے کیلئے مستعد کیا[5]۔ مولانا کا شمار ان علماء میں ہوتا ہے جنہوں نے یونانی، عبرانی اور کلدی[6] زبانوں میں خوب مہارت حاصل کی تھی۔ اسی بناء پر شیخ عبد الحیؒ[7] نے علامہ موصوف کو ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا ہے۔

لم يكن له نظير في زمانه في الفنون الرياضية وفي معرفة اللغة العبرانية[8]

ترجمہ: اپنے زمانے میں علم ریاضی اور عبرانی زبان کی معرفت میں اس کا کوئی ثانی نہ تھا۔

یہی وہ بنیادی وصف ہے جو مولانا موصوف کو برصغیر پاک و ہند کے سرخیل علماء میں ممتاز بنا دیتا ہے۔ کیونکہ وہ یونانی اور عبرانی کے تراجم سے بحث کرتے ہیں جبکہ مولانا موصوف اصل عبرانی متن سے کام لیتے ہیں۔

مولانا عنایت رسول عقائد میں اشعری مکتب فکر کے پیرو جبکہ فقہ میں امام ابو حنیفہ کے معتقد تھے[9]۔ آپ نے بیسیوں کتب تالیف کیں لیکن ان میں اکثر غیر مطبوع ہیں۔ کتاب "بشریٰ" ان کی آخری تصنیف ہے اس کے متعلق خود فرماتے ہیں۔ "میری بخشش کیلئے یہ کتاب کافی ہے[10]"۔ کتاب کی تالیف پر ۲۰ سال نہایت جاں فشانی اور جان کاہی کے ساتھ صرف کئے۔

---

*لیکچرار شعبۂ اسلامیات / پی ایچ۔ڈی سکالر، شیخ زاید اسلامک سنٹر، جامعہ پشاور

**ایسوسی ایٹ پروفیسر، شیخ زاید اسلامک سنٹر، جامعہ پشاور

معہ اس کے صاحب ممدوح کچھ ایسے معتقدات کے قائل تھے جو مسلمات جمہور کے خلاف ہیں۔اپنے ان افکار کا ذکر" بشریٰ" کے اوراق مختلفہ میں کیا ہے۔ذیل میں مولانا موصوف کے بعض تفردات کو تحقیق کی کسوٹی پر پرکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔

حضرت ابراہیمؑ کا بی بی ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیل کو وادی فاران میں تنہا چھوڑنا

مولانا عنایت رسول چڑیاکوٹی حضرت ابراہیمؑ کا بی بی ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیل کا مکہ کے لق ودق صحرا میں اکیلے چھوڑنے کے واقعہ کے ضمن میں حافظ ابن حجرؒ[11] اور ابن عباسؓ کے قول کے مقابلے میں موجودہ توراۃ کی آیت کو معتمد قرار دیتے ہیں۔ "۔۔۔واضح ہو کہ یہ حدیث مرفوع نہیں یہ قول ابن عباسؓ ہے اور ظاہر ہے کہ ان کے وقت کا ماجرا نہیں ہے کسی سے سن کے کہا ہوگالہٰذا بمقابل آیت توراۃ موثق نہیں ہو سکتا جو حضرت ابراہیمؑ کی کمال سنگ دلی پر دلالت کرتا ہے انبیاء کی یہ شان نہیں ہے[12]"

اس اقتباس میں مولانا موصوف نے واضح کیا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کا بی بی ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیل کو مکہ کی بے آب و دانہ وادی میں تنہا چھوڑنے کا قصہ عقل و نقل دونوں کے خلاف ہے۔حالانکہ حضرت ابراہیمؑ کے اس واقعہ کو قرآن مجید سورۂ ابراہیم میں یوں ذکر کرتا ہے: رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ-[13]

ترجمہ: اے میرے پروردگار!میں نے اپنی کچھ اولاد اس بے کھیتی کی وادی میں تیرے حرمت والے گھر کے پاس بسائی ہے۔اے ہمارے پروردگار ! یہ اس لئے کہ وہ نماز قائم رکھیں پس تو کچھ لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کردے۔اور انہیں پھلوں کی روزیاں عنایت فرما تاکہ یہ شکر گزاری کریں۔

مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابراہیمؑ کا بی بی ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیل کو مکہ میں چھوڑنے کا واقعہ ذکرکیا ہے۔تفسیر ابن جریر، تفسیر قرطبي، تفسیر ابن کثیر، تفسیر بغوی، تفسیر زاد المسیر اور تفسیر المنیر للزحیلي وغیرہ سب مفسرین نے تصریح کی ہے کہ آیت کا پس منظر یہی حضرت ابراہیمؑ کا واقعہ ہے۔جب یہ سب ماہرین قرآن اس آیت سے حضرت ابراہیمؑ کے اسی واقعے کی تصریح فرما رہے ہیں تو ہم کیونکر ان کے مقابلے میں محرف توراۃ کی آیت کو معتمد قرار دے سکتے ہیں ؟کیونکہ توراۃ کی کتاب پیدائش میں بی بی ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیل کا جس انداز میں ذکر موجود ہے[14] وہ بالکل انصاف کے تقاضوں پر پورا نہیں اترتا۔ایک ایک آیت سے وہاں بغض و عناد ٹپکتا رہتاہےتو ہم کیسے قرآن کی آیت کے مقابلے میں توراۃ کی آیت کو موثق قرار دیں۔اور پھرابن عباسؓ "ترجمان القرآن" کہلاتے ہیں۔اللہ کے رسول ﷺ نے ان کیلئے دعا فرمائی تھی کہ اللَّهُمَّ عَلِّمْهُ الحِكْمَةَ[15]

ایسے ذی مرتبہ صحابي رسول ﷺ، عم رسول ﷺ کی بات کو ہم کس طرح رد کر سکتے ہیں۔انہوں نے آپؐ سے قرآن مجید سیکھا لہٰذا ہمارےپاس تو یہی سب سے مستند ذریعہ ہے کہ ہم ان سے قرآن بیان کریں۔اسلئے یہ ایک بودی دلیل ہے کہ ابن عباسؓ خود تو اس وقت موجود نہیں تھے اسلئے کسی سے سن کے کہا ہوگا۔

امام بخاریؒ(۲۵۶ھ)نے اپنی" الصحیح"میں بروایت ابن عباسؓ اس واقعہ کا ذکر یوں کیا ہے۔

ابن عباسؓ نے فرمایا کہ سب سے پہلے مِنطق(کمرپٹہ باندھنے) کا رواج اسمٰعیل کی والدہ (ہاجرہ بی بی)سے چلا ہے۔منطق اس لئے باندھا تھا کہ سارہ بی بی اس کا سراغ نہ پائیں۔پھر انہیں اور ان کے بیٹےاسمٰعیل کو حضرت ابراہیمؑ ساتھ لے کر مکہ لے آئے،اس وقت ابھی وہ اسمٰعیل کو دودھ پلاتی تھیں۔۔۔پھرآپ نے دونوں ہاتھ اٹھا کر یہ دعا کی کہ"اے میرے رب!میں نے اپنی اولاد کو اس بے آب ودانہ میدان میں تیری حرمت والے گھر کے پاس ٹھہرایا ہے۔۔۔[16]

حافظ ابن حجرؒ (م ۸۵۲ھ) نے فتح الباری میں اس حدیث کے ہر پہلو پر مدلل بحث کرکے کلام کا حق ادا کیاہے۔[17] اس بحث سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ اپنے خاندان کے ان ارکان بالا کو مکہ کے بے آب و گیاہ وادی میں تنہا چھوڑ کے چلے گئے تھے اور یہ قطعاً حضرت ابراہیمؑ کی "کمال سنگ دلی" پر دلالت نہیں کرتا۔ کیونکہ یہ سب وحی کی بنیاد پر ہو رہا تھا۔ اگر ہم اس واقعہ کو عقل کی بنیاد پر ابراہیمؑ کی "کمال سنگدلی" سے تعبیر کرینگے پھر تو ابراہیمؑ کا اسمٰعیلؑ کو ذبح کرنے کا واقعہ بطریقۂ اولٰی "کمال سنگدلی" سے تعبیر کرینگے۔

امام فخر الدین رازی[18] لکھتے ہیں: قَالَ الْقَاضِي: أَكْثَرُ الْأُمُورِ الْمَذْكُورَةِ فِي هَذِهِ الْحِكَايَةِ بَعِيدَةٌ لِأَنَّهُ لَا يَجُوزُ لِإِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَنْ يَنْقُلَ وَلَدَهُ إِلَى حَيْثُ لَا طَعَامَ وَلَا مَاءَ مَعَ أَنَّهُ كَانَ يُمْكِنُهُ أَنْ يَنْقُلَهُمَا إِلَى بَلْدَةٍ أُخْرَى مِنْ بِلَادِ الشَّامِ لِأَجْلِ قَوْلِ سَارَّةَ-[19]

ترجمہ: قاضی کہتے ہیں کہ اس واقعہ میں مذکور اکثر حکایات بعید از قیاس ہیں کیونکہ ابراہیمؑ کیلئے جائز نہیں تھا کہ وہ سارہ کے کہنے پر اپنی اولاد کو ایسی جگہ منتقل کریں جہاں خورد و نوش کا مناسب انتظام نہ ہو۔ اگر بات ایسی ہوتی تو ابراہیمؑ ان کو بلاد شام کے کسی دوسرے مقام پر بھی تو منتقل کرسکتے تھے!!۔

شاید عنایت رسول صاحب کے قول کا منبع بھی یہی تفسیر کبیر ہی ہو لیکن واقعہ کی صحت پر اس بیان سے بھی کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس لئے کہ امام رازی کا اپنا موقف جمہور کے موافق ہے۔ کیونکہ یہ واقعہ قرآن و سنت میں نہایت صراحت کے ساتھ منصوص ہے۔

مولانا عنایت رسول صاحب کا یہ قول بھی اتنا وزن نہیں رکھتا کہ "قول ابن عباسؓ آیت توراۃ کے مقابلے میں زیادہ معتمد نہیں" بوجہ چند وجوہ کے: اول یہ کہ قرآن جس طرح توراۃ انجیل کی تصدیق کرتا ہے اسی طرح یہ بھی کہتا ہے کہ ماقبل قرآن آسمانی کتب محرف ہیں۔ أَفَتَطْمَعُونَ أَنْ يُؤْمِنُوا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ مِنْهُمْ يَسْمَعُونَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ يُحَرِّفُونَهُ مِنْ بَعْدِ مَا عَقَلُوهُ وَهُمْ يَعْلَمُونَ-[20]

دوم مفسرین نے اسرائیلی روایات کے قبول و ردّ کیلئے کچھ اصول وضع کئے ہیں ان میں ایک یہ ہے: "توراۃ و انجیل کا وہ بیان جس کے صحیح ہونے کی شہادت قرآن مجید اور سنت رسولؐ سے ثابت ہو تو ایسی روایات قابل استشہاد ہونگے ورنہ نہیں"[21] لہٰذا صرف عقل کی کسوٹی پر کسی بات کو رد نہیں کیا جاسکتا جب تک مستند دلیل موجود نہ ہو۔

حضرت اسمٰعیلؑ اور اسحٰقؑ دونوں ذبیح تھے

مولانا عنایت رسول صاحب کا موقف ہے کہ "یہودی کہتے ہیں کہ ذبیح حضرت اسحٰقؑ ہے توراۃ میں یہ قصہ بہ تصریح مذکور ہے۔ جبکہ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ ذبیح حضرت اسمٰعیلؑ ہے اگرچہ یہ قصہ قرآن مجید میں بہ تصریح اس نام سے موجود نہیں بلکہ سیاق کلام سے اخذ کیا جاسکتا ہے۔ لیکن میرے (عنایت رسول کے) نزدیک ذبیح اسحٰقؑ اور اسمٰعیلؑ دونوں ہیں البتہ اسمٰعیلؑ کے ساتھ یہ واقعہ بصورت خواب پیش آیا جبکہ اسحٰقؑ کے ساتھ حکم صریح کے ساتھ پیش آیا۔ رہی ابن الذبیحین کی روایت، سو اس سے مراد اسحٰقؑ اور اسمٰعیل دونوں ہیں جبکہ آپؐ کے والد ماجد عبداللہ کی مذبوحی منصوص نہیں"[22]

اہل اسلام میں یہ مسئلہ اختلافی رہاہے کہ حضرت اسمٰعیلؑ اور حضرت اسحٰقؑ دونوں میں ذبیح کون ہے؟ علماء نے اس مسئلہ پر نہایت ضخیم کتب بھی تالیف کی ہیں مثلاً: اکلوتا فرزند ذبیح اسحٰق یا اسمٰعیل از عبدالستار غوری اور ڈاکٹر احسان الرحمن غوری، ذبیح سیدنا اسمٰعیلؑ ہی ہے از مفتی عبیداللہ خان عفیف اور الرأی الصحیح فی من ھو الذبیح کا اردو ترجمہ ذبیح کون ہے؟ از حمید الدین فراہی۔

اس سلسلے میں اہل اسلام میں تین مکاتب فکر کے حاملین پائے جاتے ہیں جبکہ مولانا موصوف نے ان تینوں مکاتب فکر کے برعکس نکتہ نظر بیان کیاہے کہ "ذبیح دونوں انبیاء کرام ہیں" وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ[23] ترجمہ: اور ہم نے ایک بڑا ذبیحہ اس کے فدیہ میں دے دیا۔ آیت کے تحت مفسرین نے اس موضوع پر انتہائی پُر مغز کلام کیاہے۔ امام قرطبی[24] نے اس سلسلے میں بحث کو تین جماعتوں میں تقسیم کیاہے۔

گروہ اول کی رائے ہے کہ ذبیح حضرت اسحٰقؑ ہے۔ اور یہ اکثر کی رائے ہے۔ صحابہ میں حضرت عباسؓ بن عبد المطلب، عبد اللہ بن عباسؓ، ابن مسعودؓ، جابرؓ، حضرت علیؓ، عمرؓ اور عبد اللہ بن عمرؓ۔ یہ سات صحابہ ہیں۔ تابعین میں علقمہ، شعبی، مجاہد، سعید بن جبیر، کعب احبار، قتادہ، مسروق، عکرمہ، زہری اور امام مالک بن انس رحمہم اللہ اور دیگر علماء میں امام طبری، نحاس وغیرہ سب کا نقطہ نظر یہی ہے کہ ذبیح حضرت اسحٰق ہی ہے۔

گروہ ثانی میں صحابہ میں حضرت ابو ہریرہؓ، ابو طفیل عامر بن واثلہؓ، اور ایک روایت میں حضرت عمرؓ اور عبد اللہ بن عباسؓ بھی، تابعین میں سعید بن مسیب، شعبی، مجاہد، ربیع بن انس، محمد بن کعب قرظی، کلبی اور علقمہ وغیرہ رحمہم اللہ کا موقف ہے کہ ذبیح حضرت اسمٰعیلؑ ہے۔

گروہ ثالث میں زجاج کا موقف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں کہ دونوں میں ذبیح کون ہے۔

امام قرطبیؒ تینوں گروہوں کے ترجیحی اقوال اور دلائل ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ پہلی تعبیر نبی کریمؐ، صحابہؓ اور تابعینؒ سے بہت کثیر اسناد کے ساتھ ثابت ہے۔[25] البتہ درج ذیل وجوہ کی بناء پر اہل اسلام کا جم غفیر طبقہ حضرت اسمٰعیلؑ کے ذبیح ہونے کا قائل ہے۔

۱۔ صفت حلم وصبر کی بناء پر کہ اللہ تعالیٰ خصوصی طور پر حضرت اسمٰعیلؑ کو "صابر ہونا" بیان کرتا ہے۔

وَإِسْمَاعِيلَ وَإِدْرِيسَ وَذَا الْكِفْلِ كُلٌّ مِنَ الصَّابِرِينَ۔[26] اور حضرت ابراہیمؑ کے مدعا بیان کرنے کے بعد رد فعل میں بیٹا یوں جواب دیتا ہے: قَالَ يَا أَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّابِرِينَ۔[27]

لہٰذا اس صفت "صبر" کی مماثلت کی بناء پر سورۃ الصّٰفّٰت کے سیاق کلام کا اطلاق حضرت اسمٰعیلؑ پر ہوتا ہے۔

۲: سورۃ الصّٰفّٰت کے سیاق میں دو بشارتوں کا ذکر ہے پہلی بشارت کے بعد واقعہ ذبح کا بیان ہے، اور دوسری بشارت کا ذکر واقعہ ذبح کے بعد ہے اس دوسری بشارت میں حضرت اسحٰق کے نام کی تصریح ہے جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ واقعہ ذبح کے وقت حضرت اسحٰق کی ولادت بھی نہیں ہوئی تھی تو ذبح کیسے؟! یعنی اسمٰعیلؑ حضرت اسحٰقؑ سے عمر میں بڑے تھے۔ بلکہ خود توراۃ میں حضرت اسمٰعیلؑ کا اسحٰقؑ سے عمر میں بڑا ہونا بیان ہوا ہے۔ حضرت اسمٰعیلؑ کی ولادت کے وقت حضرت ابراہیمؑ کی عمر ۸۴ سال جبکہ اسحٰقؑ کی ولادت کے وقت ۱۰۰ سال تھی۔[28] یہاں پر دونوں کے بیچ میں ۱۴ سال کا فاصلہ خوب واضح ہے۔ مفسر بائبل خود بھی لکھتا ہے: "اسمٰعیل اضحاق سے چودہ برس بڑا تھا"[29]

۳: حضرت ابراہیمؑ کو جب ولادت اسحٰق کی بشارت دینے فرشتے آئے تھے تب قوم لوط کی بربادی بھی زیر غور تھی سورۃ الحجر آیات ۵۱ تا ۶۰ اور سورۃ العنکبوت آیات ۳۱ تا ۳۳ کا سیاق کلام اس پر شاہد ہے۔ حضرت اسحٰقؑ کی بشارت بغیر سوال کے تھا۔ اسلئے دوران بشارت بی بی سارہ ششدر نہ رہ جاتی اور نہ تعجب کا اظہار کرتی۔ قَالَتْ يَا وَيْلَتَىٰ أَأَلِدُ وَأَنَا عَجُوزٌ وَهَٰذَا بَعْلِي شَيْخًا إِنَّ هَٰذَا لَشَيْءٌ عَجِيبٌ[30] جبکہ اسمٰعیلؑ کی ولادت کیلئے حضرت ابراہیمؑ نے دربار خداوندی میں التجا کی تھی۔ رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصَّالِحِينَ[31]

اس سے معلوم ہوا کہ بنیادی طور پر حضرت ابراہیمؑ کو دو بشارتیں دی گئی تھی ایک بغیر سوال کے اور وہ حضرت اسحٰق تھے اور ایک سوال کے ساتھ اور وہ حضرت اسمٰعیل تھے اور یہی ذبیح تھے۔

اس پورے بحث سے یہی مستفاد ہوتا ہے کہ ذبیح اسمٰعیلؑ تھے، اسحٰقؑ نہیں۔ اسلئے مولانا عنایت رسول کا یہ دعویٰ کہ ذبیح دونوں تھے خلاف نصوص صریح اور خلاف جمہور ہے۔

علامہ شبلی نعمانی[32] نے "ذبیح کون ہے" عنوان کے تحت کتب اہل کتاب سے ثابت کیا ہے کہ ذبیح کا صحیح اطلاق حضرت اسمٰعیلؑ یا حضرت اسحٰقؑ پر ہوتا ہے؟ آپ پہلے ان کتب کے متون سے اصول وضع کرتے ہیں اور پھر ان اصولوں کی روشنی میں اپنا مدعا ثابت کرتے ہیں۔

۱۔ سابقہ شریعتوں میں قربانی صرف اس کی ہوسکتی ہے جو پہلوٹا ہو[33]

۲۔ پہلوٹھے کی فضیلت کسی صورت زائل نہیں ہوسکتی[34]

۳۔ اولاد میں جو نذرِ خدا کیا جاتا اس کو باپ کے میراث میں حصہ نہیں ملتا[35]
۴۔ جو آدمی نذرِ خدا کر دیا جاتا اس کیلئے "خدا کے سامنے" کا لفظ استعمال کرتے[36]
۵: حضرت ابراہیمؑ کو جس بیٹے کی قربانی کا حکم دیا گیا تھا اس میں قید تھی کہ وہ بیٹا قربان کرے جو اکلوتا اور محبوب ہو[37]
مذکورہ بالا اصولوں کو مد نظر رکھتے ہوئے علامہ شبلی لکھتے ہیں

۱۔ حضرت اسحٰقؑ کی ولادت حضرت اسمٰعیلؑ کے بعد ہوئی ہے لہٰذا حضرت اسحٰقؑ اکلوتے بیٹے نہیں۔ جبکہ قربانی کیلئے "اکلوتا ہونا" شرط تھا اسلئے حضرت اسحٰقؑ ذبیح نہیں ہو سکتے۔

۲۔ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے ترکہ کا کل حصہ حضرت اسحٰقؑ کو دیا اور حضرت اسمٰعیلؑ اور ان کی والدہ کو پانی کا ایک مشک دے کر رخصت کیا تھا۔ یہ اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسحٰقؑ کو قربانی یعنی معبد پر نذر نہیں چڑھایا تھا۔

۳: ملت ابراہیمی میں قربانی اور نذر چڑھانے کیلئے جو الفاظ استعمال ہوتے تھے وہ حضرت براہیمؑ نے حضرت اسمٰعیلؑ کیلئے استعمال کئے نہ کہ حضرت اسحٰقؑ کیلئے۔ توراۃ میں ہے کہ جب خدا نے حضرت اسحٰقؑ کی بشارت حضرت ابراہیمؑ کی دی تو حضرت ابراہیمؑ نے کہا
"کاش! اسمٰعیلؑ تیرے سامنے زندہ رہتا"[38]

۴۔ حضرت ابراہیمؑ کا محبوب ترین بچہ حضرت اسمٰعیلؑ ہی تھا کیونکہ وہ حضرت ابراہیمؑ کی دعا اور خواہش سے پیدا ہوئے تھے[39] جبکہ حضرت اسحٰقؑ خدا کے وعدہ اور عہد کا مظہر تھے[40] اگرچہ یہاں پر توراۃ تمام تر حضرت اسحٰقؑ کی یکطرفہ داستان ہے البتہ حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسحٰقؑ کی بشارت کے وقت بھی حضرت اسمٰعیلؑ ہی کو یاد کیا تھا جو اس کے محبوب اولاد ہونے کی دلیل ہے۔ اسلئے محرف توراۃ کے متن سے بھی حضرت اسمٰعیلؑ کا ذبیح ہونا ثابت ہوتا ہے۔

۵۔ حضرت اسحٰقؑ کی بشارت کے ساتھ خدا نے حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ وعدہ کیا تھا کہ میں اس کی نسل سے ابدی عہد باندھوں گا جیسا کہ توراۃ میں ہے: "۔۔۔ اور میں اُس سے اور پھر اس کی اولاد سے اپنا عہد جو ابدی ہو گا باندھوں گا"[41]
مقام غور ہے کہ جب حضرت اسحٰقؑ کی بشارت کے ساتھ ساتھ یہ وعدہ ہو کہ اس کی نسل قائم رکھوں گا تو پھر کیونکر ممکن ہے کہ جس وقت حضرت اسحٰقؑ کی اولاد ہی نہیں ہوئی تھی اور اس کی قربانی کا حکم ہو جائے۔ اور جب حضرت ابراہیمؑ نے اپنے اکلوتے کو قربان کرنا چاہا تو اس کے صلے خدا نے وعدہ کیا کہ حضرت اسحٰقؑ سے تیری نسل قائم رکھوں گا۔[42]

توراۃ کے تمام نصوص بالا سے بھی یہی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ ذبیح حضرت اسمٰعیلؑ ہی ہے نہ کہ حضرت اسحٰقؑ۔ اسلئے مولانا عنایت رسول صاحب کا نکتہ نظر توراۃ، قرآن مجید اور احادیث رسول کی رو سے باطل اور بودا ہے۔

رہی مولانا ممدوح کی یہ بات کہ " أَنَا ابْنُ الذَّبِيحَيْنِ " سے مراد اسمٰعیل اور اسحٰق دونوں ہیں نہ کہ اسمٰعیل اور آپؐ کے والد ماجد عبد اللہ۔ سو اول تو اس حدیث پر محدثین نے کافی رد و قدح کیا ہے۔ امام حاکم[43] نے اس حدیث کو اپنی "المستدرک" میں روایت کیا ہے اور حدیث کو صحیح بھی کہا ہے۔ البتہ محدث البانی[44] اس حدیث پر کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔
لا أصل له بهذا اللفظ-قال الزيلعي وابن حجر في"تخريج الكشاف"لم نجده بهذا اللفظ[45]
مزید لکھتے ہیں کہ "امام حاکم نے اس حدیث کے بعض دیگر طرق کا ذکر کر کے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح اور حسن ہے۔ لیکن حافظ ذہبی[46] نے بایں الفاظ امام حاکم کا تعاقب کیا ہے۔ إسناده واه۔ اور حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر (۳۵:۷) میں لکھا ہے کہ وهذا حديث غريب جدا۔ اور حلبی[47] "سیرۃ الحلبیۃ" میں اس حدیث پر یوں کلام کرتے ہیں۔ أن هذا الحديث غريب وفي إسناده من لا يعرف۔ اس لئے امام حاکم کا اس حدیث کو دیگر طرق کی بناء پر حسن کہنا "فاحش وہم" ہے۔[48]

لہٰذا مولانا موصوف کا یہ دعویٰ کہ " أَنَا ابْنُ الذَّبِيحَيْنِ " سے مراد اسمٰعیل اور اسحٰق ہیں۔ قرآن و سنت کی نصوص کی بناء پر سرے سے باطل ہے۔ قرآن مجید کے سیاق و سباق کا صحیح اطلاق حضرت اسمٰعیلؑ ہی ہے۔ اور جو حدیث ہے سو وہ محدثین کی نگاہ میں روایۃً درایۃً کمزور اور نا قابل حجت ہے۔

واقعہ معراج کے بارے میں عنایت رسول کا موقف

واقعہ اسراء و معراج کے بارے میں مولانا عنایت رسول کی تحقیق کا خلاصہ یہ ہے

"اسراء دو مرتبہ ہوا ہے۔ اسراء بیت المقدس جو نبوت سے پندرہ ماہ بعد ہوا اور اسراء سمٰوٰت جو نبوت سے پانچ برس بعد ہوا ہے۔ مزید براں مسجد حرام سے بیت المقدس تک جسمانی معراج ہوا ہے اور اوپر آسمانوں تک معراج بحالت خواب یعنی روحانی معراج ہوا ہے"[49]

واقعہ اسراء و معراج صحابہ اور علمائے امت میں اختلافی مسئلہ رہا ہے۔ اولاً اس کی تاریخ میں کافی مختلف روایات وارد ہیں۔ ثانیاً اسراء و معراج دو الگ الگ مواقع کو واقع ہوئے ہیں۔ ثالثاً اسراء و معراج حالت بیداری میں واقع ہوئے ہیں یا حالت نوم میں یعنی معراج نبویؐ جسمانی تھا یا روحانی۔

مولانا موصوف کی تحقیق کا خلاصہ اوپر ذکر ہوا ہے۔

سب سے پہلی بات کہ اسراء بیت المقدس جو نبوت سے پندرہ ماہ بعد ہوا ہے اور اسراء سمٰوٰت جو نبوت سے پانچ برس بعد ہوا ہے یعنی ہجرت سے آٹھ سال پہلے۔ یہ تحقیق چند وجوہ سے باطل ہے۔ اولاً امام بخاریؒ (۲۵۶ھ) نے اپنی "الجامع الصحیح" میں واقعہ اسراء و معراج کو ایک واقعہ شمار کیا ہے اگرچہ یہ واقعہ دو حصوں پر مشتمل ہے لیکن اس واقعہ کے بیان کے جتنے طرق ہیں سب روایات میں الفاظ کے تغیرات کے ساتھ محدثین نے ایک ہی رات کا واقعہ قرار دیا ہے[50] قاضی عیاض[51] اس حدیث کو نقل کے بعد لکھتے ہیں:

وَلَمْ يَأْتِ أَحَدٌ عَنْهُ بأصوب مِنْ هَذَا[52] ترجمہ: اس باب میں حضرت انسؓ سے بہتر روایت کسی سے نقل نہیں کی گئی ہے۔

امام ابن کثیر[53] نے بیہقی کے حوالہ سے لکھا ہے وَفِي هَذَا السِّيَاقِ دَلِيلٌ عَلَى أَنَّ الْمِعْرَاجَ كَانَ لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِهِ، عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ، مِنْ مَكَّةَ إِلَى بَيْتِ الْمَقْدِسِ-وَهَذَا الَّذِي قَالَهُ هُوَ الْحَقُّ الَّذِي لَا شَكَّ فِيهِ وَلَا مِرْيَةَ [54]

جب محدثین اور مفسرین خود اس واقعہ کو ایک شمار کرتے ہیں تو ہم بیسیویں صدی کے لوگ کس طرح ان کی روایات کو صرف عقل کی کسوٹی پر رد کر سکتے ہیں؟ مولانا عنایت رسول صاحب کا شمار بھی ان لوگوں میں ہوتا ہے جو عقل کی کسوٹی پر واقعات کو پرکھنے کا شوق رکھتے ہیں۔

رہا مولانا کا یہ دعویٰ کہ اسراء بالجسد اور معراج بالروح تھا۔ واقعہ معراج کا یہ گوشہ بھی علمائے امت میں مختلف فیہ رہا ہے۔

قرآن مجید کی آیت وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِي أَرَيْنَاكَ إِلَّا فِتْنَةً لِلنَّاسِ[55] میں رؤیا کی تفسیر مفسرین نے یہ بیان کی ہے کہ رؤیا بمعنی خواب کے نہیں بلکہ دیکھنے کے ہیں کیونکہ اگر خواب مراد لیا جائے وہ کیونکر فِتْنَةً لِلنَّاسِ بن سکتا ہے؟ فِتْنَةً لِلنَّاسِ تب بن سکتا ہے جب بالعین ان قدرت کے عجائبات کا مشاہدہ کیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ جب آپؐ نے ام ہانی[56] کو یہ واقعہ بیان کیا تو ام ہانیؓ نے نبی کریم ﷺ کو تنبیہ بھی کر دی کہ کسی کے سامنے یہ واقعہ بیان نہ کریں ورنہ وہ آپؐ کی تکذیب کر دیں گے[57] اور جب آپؐ کے واقعہ معراج کے بارے میں اہل مکہ کو پتہ چلا تو انہوں نے اس کو خلاف حقیقت سمجھ کر حضرت ابو بکرؓ کے سامنے رکھا۔ اور جب آپؐ نے تصدیق کی تو وہ اس واقعے کی تصدیق کی بناء پر "صدیق" بھی کہلائے۔ یہ سب نصوص مولانا موصوف کے دعویٰ کی ابطال کیلئے کافی ہیں۔

امام رازی نے رؤیا کی تفسیر میں چار اقوال ذکر کئے ہیں۔ قول رابع کے بارے میں لکھتے ہیں

وَالْقَوْلُ الرَّابِعُ: وَهُوَ الْأَصَحُّ وَهُوَ قَوْلُ أَكْثَرِ الْمُفَسِّرِينَ أَنَّ الْمُرَادَ بِهَا مَا أَرَاهُ اللَّهُ تَعَالَى لَيْلَةَ الْإِسْرَاءِ، وَاخْتَلَفُوا فِي مَعْنَى هَذِهِ الرُّؤْيَا فَقَالَ الْأَكْثَرُونَ: لَا فَرْقَ بَيْنَ الرُّؤْيَةِ وَالرُّؤْيَا فِي اللُّغَةِ، يُقَالُ رَأَيْتُ بِعَيْنِي رُؤْيَةً وَرُؤْيَا، وَقَالَ الْأَقَلُّونَ: هَذَا يَدُلُّ عَلَى أَنَّ قِصَّةَ الْإِسْرَاءِ إِنَّمَا حَصَلَتْ فِي الْمَنَامِ، وَهَذَا الْقَوْلُ ضَعِيفٌ بَاطِلٌ[58]

ترجمہ: اور چوتھا قول: یہ سب سے صحیح ترین قول ہے اور اسی کو اکثر مفسرین نے لیا ہے کہ اس سے وہ دیکھنا مراد ہے جو لیلۃ الإسراء کو اللہ نے آپؐ کو دکھلایا تھا۔ اور رؤیا کے معنی میں اختلاف ہے سو اکثر نے کہا ہے کہ رؤیۃ اور رؤیا میں کوئی فرق نہیں ہے اور بہت کم یہ کہتے ہیں کہ واقعہ اسراء حالت نومی کا ہے لیکن یہ قول کمزور اور باطل ہے۔

علاوہ ازیں تفسیر قرطبی اور تفسیر ابن کثیر وغیرہ مفسرین نے بھی اس آیت کے ضمن میں زیر بحث مسئلہ پر پُر مغز کلام کیا ہے جن سے یہی اخذ کیا جاسکتا ہے کہ معراج حالت بیداری میں ہوا ہے نہ کہ حالت نوم میں۔

مولانا عنایت رسول نے آگے لکھا ہے کہ نومی معراج کی قائل حضرت عائشہؓ بھی رہی ہیں۔ حضرت عائشہؓ کے بارے میں اگر مولانا ممدوح کا یہ قول صحیح اور ثابت مانا جائے تو محدثین نے حضرت عائشہؓ کے قول کو اس پر محمول کیا ہے کہ انبیاء ایسے نہیں سوتے جیسے ہم سوجاتے ہیں بلکہ ان کے دل بیدار ہوتے ہیں۔ حضرت جابرؓ اور مالک بن صعصعہؓ[59] کی روایت میں ''بَيْنَ النَّائِمِ وَالْيَقْظَانِ'' کے الفاظ بھی آئے ہیں۔ اور قاضی عیاض ''الشفاء'' میں حضرت عائشہؓ کے موقف پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ وہ اپنا مشاہدہ بیان نہیں کر رہی کیونکہ اس وقت وہ آپؐ کی تزویج میں نہیں آئی تھی اور نہ وہ ضبط کے عمر کو پہنچ چکی تھی۔ اور شاید اس وقت وہ پیدا ہی نہیں ہوئی تھی اگر زہری کی قول کی بناء پر واقعہ اسراء کے وقوع کو اوائل اسلام میں محمول کیا جائے۔ اور اگر قبل الھجرۃ پر محمول کیا جائے تو ہجرت نبویؐ کے وقت آپؓ ۸ سال کی تھیں۔ جبکہ واقعہ اسراء پانچ سال پہلے قبل از ہجرت واقع ہوا ہے۔ اسلئے حدیث امّ ہانیؓ کے مقابلے میں حدیث عائشہؓ قابل ترجیح نہیں[60]

مولانا عنایت رسول نے اپنے دعوی کے اثبات کیلئے حدیث کے الفاظ واستيقظ وهو في المسجد الحرام کو بیان کیا ہے۔ لیکن قاضی عیاض بَيْنَ النَّائِمِ وَالْيَقْظَانِ وَقَوْلُهُ أَيْضًا وَهُوَ نَائِمٌ وَقَوْلُهُ ثُمَّ اسْتَيْقَظْتُ کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ بھی مدعا کے اثبات کیلئے قابل حجت نہیں کیونکہ یہ فرشتے کے آنے سے پہلے کی بات ہے جس وقت آپؐ سو رہے تھے اور پورے قصہ میں کبھی یہ ذکر نہیں کہ یہ سب کچھ حالت نوم میں ہو رہا تھا۔ رہی ثُمَّ اسْتَيْقَظْتُ کے الفاظ، سو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بمعنی أَصْبَحْتُ یعنی صبح کی یا مراد ہے کہ گھر لوٹنے کے بعد پھر میں نیند سے بیدار ہوا کیونکہ اسراء تو پوری رات پر مشتمل نہیں تھا بلکہ رات کے کچھ حصے میں[61]

امام شاہ ولی اللہ[62] حجۃ اللہ البالغہ میں واقعہ معراج پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں وكل ذَلِك لجسده صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْيَقَظَة وَلَكِن ذَلِكَ فِي موطن هُوَ برزخ بَين الْمِثَال وَالشَّهَادَة جَامع لأحكامهما فَظهر على الْجَسَد أَحْكَام الرّوح وتمثل الرّوح والمعاني الروحية أجسادا، وَلذَلِك بَان لكل وَاقعَة من تِلْكَ الوقائع تَعْبِير[63]

عبارت کی تشریح کرتے ہوئے مولانا سعید احمد پالن پوری[64] لکھتے ہیں۔ ''معراج بیداری میں جسم اطہر کے ساتھ ہوئی تھی البتہ وہ خالص مادی عالم کا معاملہ نہیں تھا بلکہ عالم مثال اور عالم شھادۃ کے بین بین پیش آیا تھا جو دونوں عالموں کے احکام کا سنگھم تھا چنانچہ جسم پر روح کے احکام ظاہر ہوئے یعنی جسم نے پرواز کی اور ایک ہی رات میں یہ طویل سفر ہو گیا''[65]

اس پورے بحث سے ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ، تابعین، مفسرین اور محدثین کا جم غفیر حالت بیداری میں جسم اطہر کے ساتھ معراج کی قائل ہے۔ جو چند صحابہ نومی معراج کے قائل ہیں تو محدثین نے ان کے بہترین تطبیقات پیش کئے ہیں کیونکہ نصوص صریحہ کے ہوتے ہوئے صحابہ کرام اس طرح کا موقف نہیں اپنا سکتے۔

خلاصہ بحث

مولانا عنایت رسول ایک محقق اور باصلاحیت شخصیت تھے۔ ان کا علمی عمق اور ژرف نگاہی بے مثال ہے۔ ان کے کلام میں بہت روانی پائی جاتی ہے۔ ان کی تصنیف ''بشریٰ'' ایک شاہکار تصنیف ہے جو مولانا ممدوح کی بیس سالہ تحقیق اور عرق ریزی کا ثمر ہے۔ البتہ چونکہ مولانا عنایت رسول کا تعلق بھی اپنے عہد کے عقلیت پسندوں کے ٹولہ سے ہے اسلئے مولانا کے کلام میں بھی یہ عنصر نمایاں ہے۔ جس کی وجہ سے مولانا عنایت رسول کا تعاقب کیا جا سکتا ہے۔ اوپر مذکور ان چند نکات کے علاوہ اور بھی متعدد تفردات ہیں جن کا ذکر مولانا عبد الحئی

صاحب نے ''نزہۃ الخواطر'' اور کتاب ''بشریٰ''میں زیر عنوان 'تبشیر' میں محمد مقتدیٰ خان نے ص ۲۲ پر کیا ہے۔مولانا ممدوح چونکہ متبحر عالم دین ہیں اسلئے ان مواقعوں پر مولانا عنایت رسول ببانگ دُہل اپنا موقف پیش کرتے ہیں اگرچہ ان کا موقف جمہور علماء سے ہٹ کر ہوتا ہے۔اگر چڑیا کوٹی صاحب جمہور کی رائے کا احترام کرتے تو ایسے میں مولانا کے کلام کی افادیت مزید بڑھ جاتی۔

حواشی وحوالہ جات:

[1]انڈیا کی ریاست اترپردیش کی شہر اعظم گڑھ میں ایک قصبے کانام ہے۔(چ کے کسرہ اور یائے تحتانی کی شد کے ساتھ۔ نزہۃ الخواطر۶:۸۰۰۔۸:۱۳۱۵)

[2]نزہۃ الخواطر، ج ۸ ص۱۳۱۵

[3]شاہ عبدالعزیزؒ امام شاہ ولی اللہؒ کے بڑے صاحبزادے تھے۔۱۱۵۹ھ بمطابق ۱۷۴۶ء کو دہلی میں ولادت ہوئی۔۱۵ سال کی عمر تک تمام علوم متداولہ سے فراغت ہوئی۔والد کی وفات کے بعد مدرسہ رحیمیہ میں ہی ۶۰ سال تک درس و تدریس کے فرائض انجام دیئے۔اپنے دور میں مرجع علماء و مشائخ تھے۔تمام علوم نقلیہ و عقلیہ میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔۱۲۳۹ھ میں وفات ہوئی۔(تذکرۃ النبلاء فی تراجم العلماء،عبد الرشید عراقی،ص۴۵)

[4]مولانا حیدر علیؒ الطوکی علماء ربانیین میں سے ممتاز عالم دین تھے۔دہلی میں ولادت ہوئی اور وہی پھلے پھوسے۔ابتدائی علوم و فنون کی تحصیل کے بعد شاہ عبدالعزیزؒ کے حلقۂ درس سے لپٹ گئے۔آپ حددرجہ ذکی النفس،سرعت ادراک سے متصف،کتاب و سنت اور اختلافی مسائل میں ید طولیٰ کے حامل،ابجد علوم میں لاثانی اور طبی علوم میں بحر بے کنار تھے۔آپ ۱۲۷۳ھ کو'' طوک''کے مقام پر۷۰ سال کی عمر میں داغ مفارقت دے گئے۔(نزہۃ الخواطر،ج۵ ص۹۶۰)

[5]بشریٰ۔ص۲۰

[6]وہ ملک جس کا دارالخلافہ بابل تھا ان لوگوں نے یہوداہ فتح کیا اور وہاں کے باشندوں کو اسیر کرکے اپنے ملک لے گئے(یرمیاہ،۵۱:۲۴ تا ۳۵) اسے کلدیوں کا ملک کہا جاتا ہے(پیدائش،۱۱:۲۸)ان لوگوں کیلئے عبرانی لفظ کسدیم اور یونانی لفظ کلدی استعمال ہوتا ہے۔پروٹسٹنٹ ترجمہ میں عبرانی جبکہ کیتھولک ترجمہ میں یونانی لفظ اپنایا گیا ہے۔(قاموس الکتاب،ص۸۸۷)

[7]مولانا عبد الحیؒ اپنے عہد کے یگانہ روز مؤرخ، محقق اور ندوۃ العلماء کے ناظم تھے۔رائے بریلی میں۱۳۴۱ھ بمطابق۱۸۷۹ء کو سید فخر الدین کے گھر کے چشم و چراغ بنے۔ابتدائی علوم اپنے علاقے میں حاصل کرکے حدیث،طب اور راہ سلوک میں کمال مہارت حاصل کرنے قریہ قریہ گھومے پھرے۔آپ کا بڑا علمی کارنامہ''نزہہ الخواطر ''کی تصنیف ہے جس میں پانچ ہزار علماء، مشائخ، سلاطین، امراء، شعراء وغیرہ کی مختصر مگر جامع حالات لکھے ہیں۔فخر الدین کے گھر کے یہ چشم و چراغ ۱۹۲۹ء کو داعیٔ اجل کو لبیک کہہ گئے۔رائے بریلی میں مدفون ہیں۔(تذکرۂ اکابر،مولانا نظام الدین قاسمی،ص۱۰۵۔یاد رفتگاں،سید سلیمان ندوی،ص۴۷)

[8]نزہۃ الخواطر،ج۸ص۱۳۵۱

[9]بشریٰ۔ص۲۴

[10]ایضاً۔ص۱۶

[11]احمد بن علی بن محمد، الکنانی، العسقلانی، ابو الفضل، شھاب الدین ابن حجر (۷۷۳-۸۵۲ھ)بمطابق ۱۳۷۲کومصر میں ولادت ہوئی۔ادب اور شعر سے شغف اور وابستگی تھی۔بعد ازاں حدیث کی طرف متوجہ ہوئے اور یمن و حجاز کی طرف علم حدیث کی سماعت کیلئے اسفار کرکے خوب مشقتیں جھیلیں۔کثیر التصانیف ہستی تھی،علم حدیث،رجال اور تاریخ میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔۱۴۴۹ء کو قاہرہ میں وفات ہوئی۔(الإعلام للزرکلی۱:۱۷۸)

[12]بشریٰ،ص۱۶

[13]سورۃ ابراہیم۔۱۴:۳۷

[14]کتاب پیدائش۔۸:۲۱ تا ۲۱

[15]صحیح البخاری۔باب ذکر ابن عباسؓ،رقم الحدیث۲۷۵۶

[16]صحیح البخاری۔ج۴ص۱۴۴ رقم الحدیث ۳۳۶۵

[17]فتح الباری شرح صحیح البخاری،باب قول اللہ تعالی واتخذاللہ ابراھیم خلیلاً،ج۶ص۴۰۷

18محمد بن عمر بن حسن بن حسین تیمی بکری،ابوعبد اللہ فخر الدین رازی طبرستان کے علاقے"رے"میں ۵۴۴ھ بمطابق ۱۱۵۰ء کو پیدا ہوئے۔علم تفسیر،علم الکلام،علم الفلکیات اور فلسفہ وغیرہ میں خوب مہارت حاصل کی تھی۔آپ کی تالیفات میں مفاتیح الغیب المعروف بہ تفسیر کبیر نے خوب شہرت حاصل کی۔ہرات میں ۶۰۶ھ بمطابق ۱۲۱۰ء کو وفات ہوئے۔(وفیات الأعیان۵:۱۵۷۔الإعلام۶:۳۱۳)

19التفسیر الکبیر۱۹:۱۰۴

20سورۃ البقرۃ۲:۵۷۔سورۃ المائدۃ۵:۱۳،۴۱

21مقدمہ تفسیر ابن کثیر ج۱ص۴

22بشریٰ ص۳۳۴

23سورۃ الصّٰفّٰت۳۷:۱۰۷

24محمد بن احمد بن ابی بکر بن فرح انصاری خزرجی الاندلسی ابوعبد اللہ قرطبی،اعلام میں تاریخ ولادت ذکر نہیں۔کبار مفسرین میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔قرطبہ سے تعلق رکھتے تھے۔شرق اوسط کے اسفار کیے۔مصر میں اسیوط کے مضافات میں منیۃ ابن خصیب میں سکونت اختیار کی تھی اور وہیں پہ ۶۷۱ھ بمطابق ۱۲۷۳ء کو وفات ہوئے۔"الجامع لأحکام القرآن"المعروف تفسیر قرطبی آپ کی شاہکار تصنیف ہے۔نہایت پرہیز گار اور عبادت گزار تھے۔بودوباش میں انتہائی بھولے بھالے تھے۔ایک کپڑا زیب تن کیا کرتے تھے۔(الإعلام۔۳۲۲:۵)

25تفسیر قرطبی ج۸ص۱۱۶تا۱۱۸

26سورۃ الانبیاء۲۱:۸۵

27سورۃ الصّفّت۳۷:۱۰۲

28کتاب پیدائش۱۶:۱۶۔۵:۲۱

29تفسیر الکتاب ج۱ص۹۰

30سورۂ ہود۱۱:۲۷سورۃ الذّٰریٰت۵۱:۲۹

31سورۃ الصّٰفّٰت۳۷:۱۰۰

32شبلی نعمانی بن شیخ حبیب اللہ کی ولادت ۱۸۵۷ء بمطابق ۱۲۷۴ھ بھارت کے صوبہ اترپردیش کے ضلع اعظم گڑھ کے "بِندَول" نامی گاؤں میں ہوئی۔فارسی وعربی علوم کا مرقع تھے۔وکالت کا امتحان پاس کیا البتہ علامہ شبلی کو بطور پیشہ نہ بھایا۔بعد میں علی گڑھ میں پروفیسر مقرر ہوئے۔پھر ندوۃ العلماء چلے گئے اور وہی سے آپ کی شہرت کے چرچے ہونے لگے۔دارالمصنفین کے بانی تھے۔ادبی خدمات کے صلے میں برٹش حکومت نے ۱۹۱۴ء کو "شمس العلماء" کا خطاب بھی دیا۔۱۳۳۷ھ کو وفات ہوئے۔(یادرفتگاں ۱۶۔تذکرۂ اکابر۹۵)

33کتاب پیدائش۸:۱۷

34کتاب استثناء۲۱:۱۵تا۱۷

35گنتی۱۸:۱۹،۲۰،۲۳،۲۴۔استثناء۱۰:۸،۹

36گنتی۶:۱۶۔استثناء۱۰:۸

37کتاب پیدائش۲۲:۲

38ایضاً۱۷:۱۸

39ایضاً۱۵:۲،۳

40ایضاً۱۷:۲۰۔۲۱:۲

41ایضاً۱۷:۱۹

42سیرت النبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ از شبلی نعمانی،ص۱۱۴تا۱۱۷

43محمد بن عبد اللہ بن حمدَویہ بن نعیم،الطھمانی نیشاپوری،ابوعبد اللہ المعروف بہ حاکم،حافظ الحدیث تھے،۳۲۱ھ کو نیشاپور میں پیدا ہوئے۔۳۵۹ھ میں نیشاپور کے قاضی(حاکم)مقرر ہوئے اور اسی وجہ سے حاکم مشہور ہوئے۔ان کی زیادہ تر کتب حدیث اور علوم حدیث سے متعلق ہیں۔نیشاپور ہی میں ۴۰۵ھ کو وفات ہوئے۔(الإعلام۶:۲۲۷)

44محمد ناصر الدین البانی ۱۳۳۳ھ بمطابق ۱۹۱۴ء البانیہ میں پیدا ہوئے۔حلب اور دمشق میں علوم حاصل کئے۔عصر حاضر کے ایک مانے ہوئے محقق اور متبحر عالم دین کے طور پر جانے جاتے ہیں۔۱۴۲۰ھ یعنی ۱۹۹۹ء کو عمان میں وفات پائی۔(مقالات البانی:۱۷)

45 سلسلۃ الأحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ ۱:۵۰۱

46 محمد بن احمد بن عثمان بن قایماز الذہبی، شمس الدین ابو عبد اللہ علامہ، مؤرخ، اور محقق تھے۔ ترکمانی الاصل تھے۔ ۶۷۳ھ بمطابق ۱۲۷۴ء کو دمشق میں ولادت ہوئی اور یہی پہ ۷۴۸ھ بمطابق ۱۳۴۸ء وفات بھی ہوئی۔ کثیر التصانیف بزرگ ہیں۔ (الإعلام ۵:۳۲۶)

47 علی بن ابراہیم بن احمد الحلبی، ابو الفرج، نور الدین ابن برھان الدین مؤرخ اور ادیب ہیں۔ ۹۷۵ھ بمطابق ۱۵۶۷ء کو مصر میں پیدا ہوئے۔ کثیر التصانیف بزرگ تھے۔ ان میں "انسان العیون فی سیرۃ الأمین المأمون" المعروف بہ "سیرۃ الحلبیۃ" بہت مشہور ہے۔ ۱۰۴۴ھ بمطابق ۱۶۳۵ء کو مصر ہی میں وفات ہوئے۔ (الإعلام ۴:۲۵۵)

48 سلسلۃ الأحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ ۱:۵۰۱

49 بشریٰ ص ۲۹۰، ۲۹۱

50 صحیح البخاری، باب وکلم اللہ موسیٰ تکلیماً، رقم الحدیث ۷۵۱۷

51 عیاض بن موسیٰ بن عیاض بن عمرون یحصبی، سبتی، ابو الفضل ۴۷۶ھ بمطابق ۱۰۸۳ء کو پیدا ہوئے۔ اپنے وقت کے "امام فی الحدیث" سمجھے جاتے تھے۔ عرب کے انساب اور تاریخ سے خوب واقف تھے۔ سبتہ اور غرناطہ کے قاضی رہے ہیں۔ ۵۴۴ھ بمطابق ۱۱۴۹ء کو مراکش میں زہر دے کر قتل کر دیئے گئے۔ (الإعلام ۵:۹۹)

52 الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ، فصل فی تفضیلہ بما تضمنتہ کرامۃ الإسراء، ج ا ص ۱۷۹

53 اسماعیل بن عمر بن کثیر، قرشی، بصروی، دمشقی، ابو الفداء، عماد الدین حافظ الحدیث، مؤرخ اور فقیہ تھے۔ شام کے علاقے بُصریٰ میں ۷۰۱ھ بمطابق ۱۳۰۲ء پیدا ہوئے۔ ۷۰۶ھ کو بھائی کے ساتھ دمشق منتقل ہوئے۔ تحصیل علم کیلئے لمبے لمبے سفر کئے۔ ۷۷۴ھ کو دمشق میں وفات ہوئے۔ (الإعلام ۱:۳۲۰)

54 ابن کثیر ۵:۹ دلائل النبوۃ للبیہقی ۲:۳۸۵

55 سورۂ بنی اسرائیل ۱۷:۶۰

56 فاختہ بنت ابی طالب بن عبد المطلب ہاشمیہ قرشیہ ، مشہور بہ امّ ہانیؓ، حضرت علیؓ کی ہمشیرہ تھیں۔ مؤرخین نے ان کے نام میں اختلاف کیا ہے کہ فاختہ یا عاتکہ یا فاطمہ ہے لیکن مشہور نام فاختہ ہی ہے۔ ان کے خاوند کا شمار دشمنان اسلام میں ہوتا تھا فتح مکہ کے دن نجران بھاگ نکلا اور آپؓ نے اسلام قبول کیا۔ اسلام نے ان کے مابین جدائی ڈال دی۔ آپؓ سے ۴۶ احادیث مروی ہیں۔ ۴۰ھ کے بعد وفات پا گئیں۔ (الإعلام ۵:۱۲۶)

57 المعجم الکبیر للطبرانی ۲۴:۴۳۲۔ سیر أعلام النبلاء ۱:۲۲۲

58 تفسیر کبیر ۲۰:۳۶۱

59 مالک بن صعصعہؓ بن مازن، خزرجی، انصاری بنی نجار سے تعلق رکھتے تھے۔ انس بن مالکؓ نے آپؓ سے حدیث اسراء روایت کیا ہے۔ آپؓ سے دو حدیثیں مروی ہیں (معجم الصحابۃ ۵:۱۸۷۔ الإستیعاب فی معرفۃ الأصحاب، ترجمہ (۲۲۷۰) ۳:۱۳۵۲۔ اسد الغابہ، ترجمہ (۴۶۰۳) ۵:۲۵

60 الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ ۱:۱۹۴

61 ایضاً ۱:۱۹۲

62 ولی اللہ احمد بن عبد الرحیم، عمری، حنفی، نقشبندی محدث دہلوی ۱۱۱۴ھ بمطابق ۱۷۰۳ء کو سونی پت میں پیدا ہوئے۔ چودہ سال کی عمر میں رشتہ ازدواج میں منسلک ہوگئے۔ سولہ سال کی عمر درس و تدریس کی اجازت مل گئی۔ برصغیر میں اصلاح عقائد، ردشرک و بدعت، اشاعت کتاب و سنت، ترویج فن حدیث میں آپ کا بہت وافر حصہ ہے۔ ۶۲ سال کی عمر میں دہلی میں ۱۱۷۶ھ کو رحلت فرما گئے۔ (نزہۃ الخواطر ۶:۸۵۶۔ تذکرہ علمائے ہند ۵۸ ۴۔ تذکرۂ اکابر ۳۳)

63 حجۃ اللہ البالغۃ ۲:۳۲۰

64 آپ کا خاندانی نام احمد اور مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں داخلہ کے وقت اپنے لئے خود ہی سعید احمد نام تجویز کیا اور اسی نام سے شہرت پائی۔ ایک اندازے کے مطابق آپ کی ولادت ۱۳۶۰ھ بمطابق ۱۹۴۰ء ضلع بناس کانٹھا (شمالی گجرات) کی شہر "پالن پور" میں ہوئی۔ ۲۲ سال کی عمر میں دار العلوم دیوبند کے سالانہ امتحان میں پہلی پوزیشن لے کے متداولہ علوم پر دسترس حاصل کر لی تھی۔ کثیر التصانیف بزرگ ہیں۔ اس وقت دار العلوم دیوبند کے صدر شیخ الحدیث، صدر المدرسین اور اسلامی دنیا میں شہرہ آفاق شخصیت ہے۔ (رحمۃ اللہ الواسعۃ ۱:۸۲۲۔ تذکرۂ اکابر، ترجمہ (۱۲۲) ص ۳۲۷)

65 رحمۃ اللہ الواسعۃ ۵:۶۱۳